© rasailojaraid.com

ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن

اعضاء کی پیوند کاری-فقہاءِ اسلام کی متضاد آراء

اسلام جو قیامت تک نسلِ انسانی کے لیے ہدایت کا ضامن ہے اور دُنیا میں ''ثبات اِک تغیر کو ہے''، اس لیے احکام اسلام بھی تغیر و ثبات دونوں کا مجموعہ ہے۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ثبات صرف بنیادی اقدار کو حاصل ہے، ان کے علاوہ پیش آمدہ مسائل جو ارتقائے فکرِ انسانی کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں، اسلام ان کے حل کے لیے فکر، تحقیق، جستجو (اجتہاد) کی مکمل اجازت دیتا ہے۔ اگر کوئی اس کی راہ میں آئے تو زمانہ اس کی پروا کیے بغیر آگے نکل جاتا ہے اور پیچھے رہ جانے والے لکیریں پیٹا کرتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آج پیش آنے والے ہر مسئلہ کی کوئی نظیر یا صورت قرنِ اوّل میں بھی پیش آئی ہو اور آنحضرت ﷺ یا آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے اس کا جواب منقول ہو۔ اگر نئے مسائل کے بارے میں ہمارے پاس کوئی حکم شرعی نصوص میں نہیں ملتا۔ ایسی صورت میں ہمیں قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد سے کام لینا ہوگا۔ آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث مروی ہے: لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَکَ قَضَاء قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللّٰه قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ به سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا فِي كِتَابِ اللَّهِ قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِي وَلَا آلُو فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرَهُ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللَّهِ.[۱]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اگر کسی مسئلے میں ہمیں قرآن وسنت میں کوئی ہدایت نہ ملے، تو پھر ہمیں اس مسئلے میں ذاتی غور وفکر سے کام لینا ہوگا۔)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو قضا سے متعلق لکھا تھا ''جو مسئلہ تمہیں کتاب وسنت میں نہ ملے اور تمہیں اس کے متعلق تردد ہو تو اس پر غور کرو اور اچھی طرح غور کرو اور اس سے ملتے جلتے مسائل پر اسے قیاس کرلو''۔[۲] یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ جب ہم مجتہدین کے اجتہادات کا بنظرِ غائر جائزہ لیتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ ہر نئے مسئلہ کا حل مصلحت وحکمت اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔

آج جو مسئلہ ''اعضاء کی پیوند کاری'' اور بالخصوص قرنیہ کی پیوند کاری کا زیرِ موضوع ہے اس سے متعلق بھی نصوص میں کوئی حکم شرعی موجود نہیں اور اس کا سبب بڑا واضح ہے کہ قرنِ اوّل میں یہ مسئلہ رونما نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اس سے متعلق کوئی حکم بھی مذکور نہیں--- یہ مسائل تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تغیرات وایجادات کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ قرنیہ کی پیوند کاری کا مسئلہ تو گزشتہ پچاس برسوں میں سامنے آیا ہے۔ اس صورت میں عالمِ اسلام کے اہلِ علم نے رضائے الٰہی اور مفادِ عامہ کے جذبہ کے تحت ان معاملات پر غور وفکر فرمایا اور ان کے نتائج فکر ہمارے سامنے آئے۔

امام کاسانیؒ فرماتے ہیں:

''اضطراری کیفیت میں بھی کسی مسلمان کا قتل کرنا یا اس کا کوئی عضو قطع کرنا جائز نہیں''۔[۳]

آگے چل کر امام کاسانیؒ ہبہ کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

''ہبہ کی شرائط میں سے ہے جو چیز ہبہ کی جارہی ہے وہ مال متقوم ہو، لہذا ایسی چیز کا ہبہ جائز نہیں جو اصلاً مال کی تعریف سے خارج ہو جیسے آدمی، مردار، خون، حرم اور احرام کا شکار اور خنزیر وغیرہ''۔[۴]

صاحب البحر الرائق لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"و شعر الانسان والانتفاع به ای لم یجز بیعه' والانتفاع به لان الأدمّی مکرم غیر متبذل فلا یجوز ان یکون شیء من اجزائه مهانا مبتذلا" [۵]

(انسانی بال اور ان سے نفع اُٹھانا۔ یعنی ان کی بیع اور ان سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے۔ کیوں کہ آدمی قابل تکریم ہے نہ کہ قابل صرف کوئی چیز، لہٰذا جائز نہیں کہ اس کے اعضاء میں کسی کو ذلیل یا حقیر کیا جائے یا استعمال کیا جائے)۔

اسی سے متعلق دوسری فقہی رائے:

"ان شعر الأدمی لا ینتفع به اکراماً للأدمی"[۶]

(انسانی احترام کے پیش نظر انسانی بالوں سے نفع نہیں اُٹھایا جا سکتا۔)

سب سے پہلے ہم ان آراء اور ان کے بنیادی دلائل کو سامنے لاتے ہیں جنھوں نے اپنی تحقیق کے نتیجے میں "پیوند کاری" کے عدم جواز کی رائے پیش فرمائی ہے۔

کراچی میں "مجلس تحقیق" کے نام سے چند علماء پر مشتمل ایک جماعت ہے جو غیر رسمی طور پر مسائل حاضرہ پر غور وفکر کے لیے مل بیٹھنے کا اہتمام کرتی رہتی ہے اور بحث وتمحیص کے بعد اپنے نتائج فکر شائع کرنے کا انتظام بھی کرتی ہے۔ اس مجلس کے شرکاء میں مولانا مفتی محمد شفیع، مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا تقی عثمانی جیسے حضرات شریک تھے۔ اس مجلس نے پیوند کاری کے مسئلہ پر غور وخوض کیا اور مسئلہ کی جملہ جزئیات کا جائزہ لینے کے بعد یہ حضرات جس نتیجہ پر پہنچے اسے مرحوم مفتی محمد شفیع صاحب نے کتابی صورت میں مرتب فرما دیا۔ یہ کتاب "انسانی اعضاء کی پیوند کاری" کے نام سے ۱۹۷۲ء میں منظرِ عام پر آئی۔ ان حضرات کے نتیجۂ فکر کا خلاصہ یہ ہے:

"اسلام نے ایک انسان کے اعضاء کو دوسرے انسان کے لیے اس کی رضامندی اور اس کی اجازت کے ساتھ بھی جائز نہیں رکھا اور نہ کسی انسان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنا کوئی جزو دوسرے کو معاوضہ پر یا بلا معاوضہ دے دے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان حضرات کی پہلی دلیل یہ ہے کہ:

”اللہ تعالیٰ نے انسان کو مخدومِ کائنات بنایا ہے۔ وہ تمام مخلوقات کا استعمال کرنے والا ہے، خود اس کے اعضاء و اجزاء کا استعمال اس کی اہانت اور تخلیقِ کائنات کے منشاء کے خلاف ہے---”وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ“ (الاسراء: ۷۰) اور ”لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ“ کی آیات کو بطور دلیل پیش کیا گیا، یعنی کرامت انسانیت کا یہ تقاضا ہے کہ مردہ ہونے کی صورت میں بھی اس کی عزت و احترام کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس ضمن میں آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے بھی استشہاد کیا گیا جس میں آپ نے ”مثلہ“ کی ممانعت فرمائی اور اس میں کافر و مسلم کی بھی کوئی تخصیص نہیں فرمائی“۔

دوسری دلیل یہ پیش کی گئی کہ انسان اپنی جان و جسم کا مالک نہیں، حقیقی مالک اللہ رب العالمین کی ذات ہے اس لیے اسے اپنے جسم پر کسی تصرف کا حق حاصل نہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں:

”انسان کا وجود درحقیقت ایک چلتی پھرتی فیکٹری ہے جس میں سینکڑوں نازک مشینیں کام کر رہی ہیں۔ یہ سب مشینیں ان کے پیدا کرنے والے نے انسان کو ودیعت و امانت کے طور پر دی ہیں۔ اس کو ان چیزوں کا مالک نہیں بتایا۔ البتہ امانت کے طور پر دینے والے کریم مولا نے ان سرکاری مشینوں کے استعمال کی ایسی آزادانہ طاقت و اجازت دے دی ہے کہ اس سے اس کو یہ دھوکہ لگ جاتا ہے کہ میں اپنی جان اور اعضاء کا خود مالک ہوں مگر حقیقتِ حال یہ نہیں، اسی وجہ سے انسان کے لیے جس طرح خودکشی حرام ہے اسی طرح اپنا کوئی عضو کسی دوسرے کو بلا معاوضہ رضا کارانہ طور پر دینا بھی حرام ہے۔ فقہاء رحمہم اللہ نے قرآن کی واضح نصوص کی بناء پر فرمایا کہ جو شخص بھوک پیاس سے مر رہا ہو اس کے لیے مردار جانور اور ناجائز چیزوں کا کھانا پینا تو بقدرِ ضرورت جائز ہو جاتا ہے مگر یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات اس وقت بھی جائز نہیں ہوتی کہ کسی دوسرے زندہ انسان کا گوشت کھالے اور نہ کسی انسان کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا گوشت یا کوئی عضو دوسرے انسان کو بخش دے، کیونکہ خرید و فروخت یا بخشش و ہدیہ اپنی ملک میں ہوسکتا ہے، روحِ انسانی اور اعضائے انسانی اس کی ملک نہیں کہ کسی کو دے سکے''۔

ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے طبع ہونے والی کتاب مجموعہ قوانین اسلام، مرتبہ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن کی جلد چہارم میں کم و بیش مذکورہ رائے سے ملتی جلتی رائے کا اظہار کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''پیوندکاری ائمہ مذکور کے نزدیک بھی ناجائز ہوگی اور وصیت کرنے والے کی وصیت بھی بربنائے معصیت ناجائز ہوگی مثلاً دوسرے کی بینائی کی غرض سے آنکھوں کے عطیہ کی وصیت کیونکہ جس کے لیے وصیت کی جارہی ہے اس کی حالت اضطراری نہیں قرار پاتی --- اس پس منظر میں قرآنی تعلیمات، ارشادات نبویؐ اور استدلالات فقہاء کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کسی مسلمان کا اپنی آنکھوں یا کسی دوسرے عضو کے بارے میں وصیت کرنا کہ فلاں شخص یا فلاں ادارہ کو دے دیا جائے ناجائز ہوگا''۔[۷]

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی سے بھی مسئلہ مذکور سے متعلق سوال کیا گیا تھا، جو ''مجالسِ سیّد مودودی'' میں منقول ہے، سوال یہ تھا کہ مولانا! کچھ لوگ اپنی خوشی سے آنکھوں وغیرہ کا عطیہ دینے کا اعلان کرتے ہیں کیا اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ مولانا نے ارشاد فرمایا:

''اصل سوال یہ ہے کہ آپ اپنے جسم کے مالک خود کب ہیں، مذہب ہی نہیں خود قانون بھی آپ کو اپنے جسم کا مالک قرار نہیں دیتا، اگر آپ اپنے جسم کے مالک ہیں تو پھر آپ کو خودکشی کی اجازت کیوں حاصل نہیں، آپ اپنے آپ کو بیچ کیوں نہیں سکتے''۔

یکم تا ۳؍اپریل ۱۹۸۹ء، نئی دہلی (ہندوستان) میں ایک فقہی سیمینار منعقد ہوا جس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کارروائی اور علمی مقالات کو ''مجلّہ فقہ اسلامی'' نے شائع کیا۔ یہاں پڑھے گئے مقالات میں بھی ''پیوند کاری'' کے عدم جواز کا رجحان غالب نظر آتا ہے۔ مثلاً دیوبند کے مفتی مولانا محمد ظفیر الدین صاحب، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاذ مولانا برہان الدین سنبھلی اسی نقطۂ نظر کے حامی ہیں۔ ان تمام علماء کرام کے دلائل کا جائزہ لیا جائے تو ان کی آراء درج ذیل تین بنیادوں پر استوار ہیں۔

۱۔ کرامت انسانیت

۲۔ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں۔

۳۔ مثلہ کی ممانعت[۸]

وہ حضرات جو جواز کے قائل ہیں ان میں سے ہمارے پیشِ نظر سب سے پہلے مولانا طاسین صاحب کی رائے ہے جو ادارہ تحقیقات اسلامی کے مجلّہ فکر ونظر کی اشاعت جولائی۔اگست ۱۹۷۹ء میں ''قرنیہ کی پیوند کاری'' کے عنوان سے شائع ہوئی۔ مولانا نے تفصیل کے ساتھ ان دلائل کا جائزہ لیا ہے جو عدم جواز کے لیے پیش کیے گئے اور پھر اپنی رائے کا بھی اظہار کیا ہے۔ پہلی دلیل ''کرامت انسانیت'' سے متعلق مولانا لکھتے ہیں:

> ''توہین اور تکریم کا تعلق انسان کے قصد و ارادہ سے ہوتا ہے۔ ناکارہ عضو کا کاٹنا بغرض علاج جرم نہیں۔ لیکن یہی کام کسی کو تکلیف پہنچانے کے لیے کیا جائے تو قابل قصاص و دیت جرم ہے۔ یہی صورت مردہ کی ہے۔ اسلام نے ایسی کئی صورتوں میں اس کو جائز قرار دیا ہے، مردہ ماں کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو ماں کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو نکالنا جائز ہے، زندہ ماں کے پیٹ میں مردہ بچہ ہو تو اس صورت میں پیٹ چاک کرنا جائز ہے۔ اگر کسی کنویں میں کوئی لاش پڑی ہو اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کیے بغیر نکالنا ممکن نہ ہو تو لاش کے اعضاء کو الگ الگ کرنا جائز ہے۔ میت کے پیٹ میں کوئی قیمتی پتھر ہو تو اس صورت میں بھی اپریشن کے ذریعہ نکال لینا جائز ہوگا۔ بالکل اسی طرح غیر طبعی موت کی صورت میں موت کا سبب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم کرنے کے لیے چیر پھاڑ کرنا بھی جائز ہوگا--- اور چونکہ مسئلہ زیرِ بحث میں جو میت کی آنکھیں لی جاتی ہیں وہ نفرت وعداوت کے جذبہ سے اور میت کو بگاڑنے اور رسوا کرنے کی غرض سے نہیں بلکہ میت کا احترام کرتے ہوئے اس غرض سے لی جاتی ہیں کہ اندھے آدمی کی ضرورت پوری ہو اور وہ بینائی پا کر عزت نفس اور خودداری کے ساتھ زندگی گزار سکے اور دوسروں کا محتاج نہ رہے لہذا یہ چیز تکریم آدمیت کے منافی قرار نہیں پاتی''۔[۹]

دوسری دلیل ''ملکیت جسم'' سے متعلق مولانا لکھتے ہیں:

''قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنے مال اور اپنے جسم کا مالک ٹھہرایا ہے۔ قرآن مجید کی چھیاسٹھ آیات جس طرح اموال کی نسبت واضافت انسانوں کی طرف کی گئی ہے، اسی طرح ستر سے زیادہ آیات میں جانوں، جسموں اور جسم کے مختلف اعضاء مثلاً ہاتھوں، پیروں، زبانوں، آنکھوں، کانوں وغیرہ کی نسبت واضافت بھی انسانوں کی طرف کی گئی ہے، جس طرح **اموالھم واموالکم** فرمایا اس طرح **أنفسھم، ایدیھم، افواھھم، ابصارھم** بھی فرمایا۔ اور پھر جس طرح **اموالھم** کی اضافت اموال کی ملکیت پر دلالت کرتی ہے اسی طرح مذکورہ تمام چیزوں کی اضافت بھی ملکیت پر دلالت کرتی ہے''۔[۱۰]

اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں:

''اور پھر جبکہ مال کے اندر جائز تصرفات پر انسان مدح وتعریف اور اجر وثواب کا مستحق اس وجہ سے قرار پاتا ہے کہ وہ مالک ہوتے ہوئے اپنا مال راہِ خدا اور مصارف خیر میں خرچ کرتا ہے تو جسم و جان کے جائز تصرفات پر مستحق اجر و ثواب ہونے کی وجہ یہ کیوں نہ سمجھی جائے کہ انسان اپنے جسم و جان کا مالک ہوتا ہے؟ اسی طریقہ سے جب مال کے اندر بعض تصرفات کو ممنوع اور موجب سزا وعذاب قرار دینے سے ملکیت مال کی نفی نہیں ہوتی تو پھر جسم وجان کے اندر بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تصرفات مثلاً خودکشی کو ممنوع اور موجب عذاب قرار دینے سے ملکیت جسم و جان کی نفی کیسے ہو سکتی ہے؟''۔[۱۱]

''مثلہ'' کی ممانعت پر قیاس کرتے ہوئے پیوند کاری کے عدم جواز پر فتویٰ سے متعلق بحث کرتے ہوئے مرحوم مولانا طاسین صاحب لکھتے ہیں:

''اور توہینِ مردہ کی تکریم اور ممانعت کے لیے دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں ایک وہ حدیث ہے جس میں ''مثلہ'' سے منع فرمایا گیا ہے مثلہ کے معنی ہیں دشمن کو ہلاک کر دینے کے بعد اس کی لاش کو مسخ کرنے کے لیے ناک کان وغیرہ کاٹ دینا تاکہ وہ پہچانا نہ جاسکے اور اس کی مزید تذلیل ہو۔ اور دوسری وہ حدیث جس میں میت کی ہڈی توڑنے سے منع فرمایا گیا''۔[۱۲]

اس دلیل پر بحث کرتے ہوئے مولانا رقمطراز ہیں:

''اس دلیل سے دعویٰ مذکور اس وجہ سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ دلیل دعوے پر چسپاں ہی نہیں ہوتی۔ منطق کی زبان میں یہ بات اس طرح کہی جاسکتی ہے کہ اس دلیل کے دو مقدمات میں سے ایک مقدمہ صحیح اور دوسرا غلط اور ناقابل تسلیم ہے۔ یعنی اس کا کبریٰ تو صحیح لیکن صغریٰ غلط ہے۔ لہذا اس دلیل سے اخذ کیا ہوا نتیجہ غلط ہے۔ صغریٰ اس دلیل کا ہے: اندھے آدمی کی بینائی کی خاطر مردہ آدمی کی آنکھیں اخذ کرنا ایسا عمل ہے جو تکریم بنی آدم کے منافی اور توہینِ انسانیت کا موجب ہے۔ اور کبریٰ ہے: جو عمل تکریمِ بنی آدم کے منافی اور توہینِ انسانیت کا موجب ہو وہ حرام و ناجائز ہے--- اس دلیل کا صغریٰ یعنی یہ کہنا کہ اندھے آدمی کی بینائی کی خاطر مردہ آدمی کی آنکھیں اخذ کرنا تکریم بنی آدم کے منافی اور توہینِ انسانیت کا موجب ہے، صحیح نہیں اور اس کی وجہ یہ کہ تکریم اور توہین کا تعلق انسان کے قصد و ارادہ سے ہوتا ہے--- جب ایک ڈاکٹر اس قصد و غرض سے کسی مریض آدمی کا کوئی عضو کاٹ دیتا ہے کہ اس کا باقی جسم محفوظ ہو جائے تو اس کے اس عمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو نہ آدمیت کی توہین اور نہ کوئی جرم خیال کیا جاتا ہے، لیکن جب وہی عضو کوئی شخص دوسرے کو اذیت پہچانے اور اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کی غرض سے کاٹتا ہے تو اسے آدمیت کی ہتک و توہین اور قابل قصاص و دیت جرم باور کیا جاتا ہے''۔[۱۳]

مولانا جملہ پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد اپنی رائے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''آخر میں اگر کوئی مجھ سے یہ پوچھے کہ اس مسئلہ میں تیری رائے کیا ہے؟ تو میں اس کا یہ جواب دوں گا کہ مجھے اس مسئلہ کے متعلق باوجود جستجو اور تحقیق کے قرآن و حدیث میں کوئی ایسی نص نہیں مل سکی جس سے عبارۃً، دلالۃً، اقتضاء اور اشارۃً یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرنیہ کی پیوند کاری واجب ہے یا حرام، بالفاظ دیگر مجھے اس مسئلہ کے متعلق قرآن و حدیث میں نہ تو بصورت امر کوئی ایجابی حکم مل سکا ہے اور نہ بصورت نہی کوئی امتناعی حکم۔ نہ تفصیلاً اور صراحتہً ملا ہے اور نہ اجمالاً اور قیاساً، لہذا میری رائے میں قرنیہ کی پیوند کاری نہ واجب ہے اور نہ حرام بلکہ اسے صرف مباح ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ جس کے نہ اختیار کرنے میں کوئی حرج ہوتا ہے اور نہ ترک کرنے میں کوئی حرج۔ یعنی جس کا ترک و اختیار دونوں جائز ہوتے ہیں۔ نہ ترک کرنے والے کو گنہگار کہہ سکتے ہیں اور نہ اختیار کرنے والے کو گنہگار''۔[۱۴]

مفتی کفایت اللہ صاحب گو اعضاء کی پیوند کاری کو درست نہیں سمجھتے، تاہم وہ بھی مطلقاً اجزاء سے انتفاع کو حرام نہیں کہتے ہیں اور اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ کبھی اجزائے انسانی کا استعمال ایسا بھی ہوسکتا ہے جو مستلزم اہانت نہ ہو، کفایت المفتی میں ان کی یہ رائے درج ہے:

''یہ شبہ کہ انسان کے اجزاء کا استعمال ناجائز ہے اس لیے وارد نہ ہونا چاہیئے کہ استعمال کی جو صورت مستلزم اہانات ہو وہ ناجائز ہے اور جس میں اہانت نہ ہو تو بہ ضرورت وہ استعمال ناجائز نہیں''۔

مصر میں ۱۵۷۱ء میں دارالابصار کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا جس کا مقصد مردہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسانوں کی آنکھیں حاصل کرنا اور پھر نابینا افراد کو لگانا تھا۔ مصر کے مفتی اعظم سے جب اس کے متعلق استفسار کیا گیا تو انہوں نے جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

''حکومت ایسا کوئی قانونِ عام تو نہیں بنا سکتی کیونکہ اس سے مرنے والوں کے ورثاء کی طرف سے فتنہ وفساد اٹھنے کا اندیشہ ہے، البتہ جو مردے لاوارث قسم کے ہوں یا جنھیں سزائے موت مل چکی ہو، دارالابصار کے لیے ان کی آنکھیں اخذ کی جاسکتی ہیں''۔

مفتی محمد حسین نعیمی (جامعہ نعیمیہ لاہور) اعضاء کی پیوند کاری کے جواز کے قائل ہیں۔

مولانا غلام رسول سعیدی شارح صحیح مسلم نے شرح صحیح مسلم کی دوسری جلد کے صفحہ ۸۶۳ پر اس موضوع سے متعلق مفتی صاحب محترم اور ان کے درمیان ہونے والا مکالمہ درج کیا ہے۔ خود مولانا غلام رسول سعیدی عدم جواز کے قائل ہیں اور شرح مسلم شریف کی دوسری جلد میں کم وبیش بتیس تینتیس صفحات اس موضوع کے لیے مختص کیے ہیں۔[۱۵]

اسلامی نظریاتی کونسل جو جدید وقدیم علوم پر دسترس رکھنے والے اہل علم پر مشتمل ہے، اس نے زیر بحث موضوع پر تفصیلی غور وخوض کے بعد درج ذیل آراء مرتب کیں:

کونسل میں کافی عرصہ تک یہ مسئلہ زیر غور رہا، کونسل کی رائے میں اس مسئلہ کے تین پہلو ہیں:

۱۔ کسی شخص کا اپنے کسی عضو جسم کا عطیہ دینا۔

۲۔ اس عضو کا نکالنا۔

۳۔ اس عضو کی دوسرے زندہ انسان کے جسم میں پیوند کاری۔

نمبر ۱ کی پھر دو صورتیں ہیں:

ا) کسی زندہ شخص کا اپنی زندگی میں کسی عضو کا عطیہ دینا۔

ب) کسی زندہ شخص کا اپنی زندگی میں یہ وصیت کرنا کہ اس کے مرنے کے بعد فلاں عضو اس کے جسم سے نکال کر کسی دوسرے ضرورت مند شخص کو لگا دیا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں تک (الف) میں مذکورصورت کا تعلق ہے کونسل کے نزدیک کسی زندہ شخص کے جسم سے کوئی عضو اس کی اجازت کے باوجود مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر قطع کرنا اور پیوند کرنا حرام ہے:

۱۔ یہ نظامِ قدرت میں دخل اندازی کے مترادف ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام اعضاء اور صلاحیتوں کے ساتھ ایک اکائی کے طور پر پیدا کیا ہے۔ اس اکائی میں سے کوئی جزء الگ کرلیا جائے تو یہ اکائی مکمل حالت میں باقی نہیں رہتی بلکہ ناقص ہو جاتی ہے۔

۲۔ شریعت کی رو سے انسانی جسم انسان کی ملکیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ودیعت ہے اور انسان کو اس ودیعت میں قطع و برید کا حق حاصل نہیں ہے اور اسی بناء پر کوئی مسلمان فقیہ اس عطیہ کو جائز نہیں سمجھتا۔

۳۔ زندہ انسانی جسم سے کسی عضو کے قطع کرنے سے اس جسم کی صلاحیتِ کار دائماً متاثر ہو جاتی ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے دو دو اعضاء میں سے ایک کا عطیہ دے دینے سے مستقبل میں دوسرے عضو کی ضرورت پڑسکتی ہے۔

۵۔ موجودہ مادی دور میں انسانی اعضاء کی خرید و فروخت کا مذموم کاروبار شروع ہو جائے گا، جس سے اشرف المخلوقات کا جسم بھی بھیڑ بکریوں کی طرح بکاؤ مال بن کر رہ جائے گا، جیسا کہ انسانی خون کا کھلے بندوں کاروبار ہو رہا ہے، اسی طرح پاکستان میں متمول حضرات کی طرف سے یہ اشتہارات آ رہے ہیں کہ جو شخص اپنا گروہ دے گا، اس کو ایک لاکھ روپیہ معاوضہ دیا جائے گا لہٰذا سدِّ ذریعہ کے طور پر بھی زندہ انسان کے جسم اور اعضاء کو کاروباری لین دین کا موضوع بننے سے روکنا ضروری ہے۔

جہاں تک (ب) میں مذکورصورت کا تعلق ہے، تو کسی میت کی وصیت کے مطابق اس کی موت واقع ہو جانے کے بعد اس کا عضو قطع کیا جا سکتا ہے۔

اس وصیت کی حیثیت اصلاحی وصیت کی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد موصی (وصیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے والے) شخص کی یہ خواہش ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اعضاء اس کے کام تو نہیں آئیں گے اور ان سے کسی دوسرے مضطر شخص کو فائدہ ہونے کی توقع ہے۔ اگر اس کی اس خواہش کی تکمیل سے دوسرے شخص کو فائدہ حاصل ہو سکے تو اس کی یہ خواہش اس کے مرنے کے بعد پوری کی جاسکتی ہے۔ اس وصیت کی تعمیل مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ہوگی:

۱۔ یہ کہ وہ عضو موصی کی طرف سے خالصۃً للہ ہدیہ ہونا چاہیے۔

۲۔ ورثاء میت اس کے جسم سے عضو قطع کرنے کی اجازت متفقہ طور پر دیں۔ اگر کوئی ایک وارث بھی اس پر رضامند نہ ہو تو وہ عضو قطع نہیں کیا جائے گا البتہ کسی لاوارث شخص کی وصیت پر اس کی موت کے بعد اس کی نعش سے کوئی عضو علیحدہ کرنے کے لیے ایسی رضامندی کی ضرورت نہ ہوگی۔

۳۔ موصی کی وصیت کے مطابق اس عضو کو دو ثقہ اور متقی ڈاکٹروں کی اس تصدیق پر قطع کیا جائے گا کہ اس شخص کی موت واقع ہو چکی ہے۔

۴۔ ایک ثقہ، متقی، مسلمان ڈاکٹر اس نیت سے وہ عضو الگ کرے گا کہ اس سے کسی ضرورت مند مضطر شخص کو فائدہ پہنچایا جائے گا۔

مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر عطیہ صرف مرنے کے بعد کے لیے ہوگا اور پیوند کاری بھی مذکورہ صورت میں معطی کے مرنے کے بعد ہوگی۔

مرنے کے بعد کسی دوسرے کو فائدہ پہنچانے کے نیک ارادے اور نیک خواہش کی بناء پر کسی عضو کو کاٹ کر جدا کرنا مُثلہ نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ احادیث جو مُثلہ اور میت کی ہڈی توڑنے کی ممانعت کے بارہ میں آئی ہیں، ان میں ممانعت کی علت بے حرمتی، تحقیر اور ہتک احترام آدمیت ہے اور یہاں پیوند کاری کے سلسلے میں کیے جانے والے عمل جراحی سے میت کی بے حرمتی اور ہتک مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس سے ایک دوسرے انسان کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے جبکہ معطی کو کوئی ضرر لاحق نہیں ہوتا، اس لیے یہاں علت جواز مصلحتِ انسانی، مفادِ عامہ، دفع ضرر اور ازالۂ تکلیف و مشقت ہے۔[۱۶]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں جواز اور عدمِ جواز کے دلائل کا ایک اجمالی خلاصہ پیش کیا گیا ہے، اہلِ علم کو کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے کوئی دقت یا دشواری ہونی چاہیے۔ اس موضوع پر دونوں اطراف کے علماء کرام کے آراء کے مطالعہ کے بعد راقم مولانا محمد طاسینؒ کی رائے سے اتفاق رکھتا ہے کہ ایک نابینا زندہ آدمی کا ایک مردہ آدمی کی آنکھ سے بصارت حاصل کرنا جائز ہے۔

حواشی و حوالہ جات

[۱] سنن ابی داوٗد: باب اجتہاد الرأی بالقضاء

[۲] شبلی نعمانی: الفاروق، ص ۴۹، مطبوعہ ۱۹۸۴ء، معارف اعظم گڑھ (انڈیا)

[۳] کاسانی، بدر الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی، ج ۷، ص ۱۷۷، ط: سعید کمپنی، پاکستان چوک، کراچی

[۴] علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی: "بدائع الصنائع"، ج ۶، ص ۱۱۹، ط: ۱۳۸۶ھ، مطبعہ کمالیہ

[۵] ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم: "البحر الرائق" ۸۱/۶، ط: طوغی روڈ، کوئٹہ، پاکستان

[۶] ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی: "المبسوط"، ۱۲۵/۱۵، ط: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

[۷] تنزیل الرحمٰن: "مجموعہ قوانین اسلام"، ج ۴، ص ۱۴۱۷، ط: مارچ ۱۹۸۱ء، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد

[۸] مجلّہ فقہ اسلامی، مجاہد القاسمی، ص ۲۲۲ تا ۲۵۵، اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

[۹] "فکر و نظر"، جولائی-اگست ۱۹۷۹ء، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

[۱۰] ایضاً

[۱۱] ایضاً

[۱۲] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[۱۳] ایضاً

[۱۴] ایضاً

[۱۵] سعیدی، غلام رسول: شرح مسلم، ج۲،ص ۸۶۳، ۳۸، اُردو بازار، لاہور

[۱۶] انسانی اعضاء کی پیوند کاری اور انتقالِ خون، محمد خالد سیف، سہ ماہی مجلّہ ''منہاج''، اپریل ۱۹۹۰ء، جلد ۸، شمارہ ۲، پنج محل روڈ، مزنگ لاہور۔

© rasailojaraid.com